ڈاکٹر فریدہ انجم*
ڈاکٹر عنبرین خواجہ**

کشمیری حکمران سلطان زین العابدین کے دور میں مذہبی رواداری

ABSTRACT

Sultan Zain-ul-Abidin ruled over the Kashmir about 50 years and remained very popular. He was the " Akbar" of Kashmir. He earned name for himself for his policy of toleration and public welfare activities. Sultan Zain -ul-Abidin possessed a broad tolerant outlook with a desire to benefit mankind. He deservedly surnamed "Badshah" or the great king. Sikandar's policy had left many deep wounds behind but Sultan made the Kashmir real paradise in which men of all religions and nationalities mingled together and shared one another's joys and sorrows.

Key Words: Ali Shah, Shahi Khan, Budshah, Sikandr, Hindu Brahmans, Slaughter, Temples, Sanskrit, Persian.

* ماہر مضمون، گورنمنٹ سنٹرل ماڈل گرلز ہائیر سیکنڈری سکول، گلبرک، لاہور
** اسسٹنٹ پروفیسر، ادارہ مطالعہ کشمیر، یونیورسٹی آف آزاد جموں و کشمیر، مظفر آباد

ریاست جموں و کشمیر کا شمار دنیا کی خوب صورت ترین ریاستوں میں ہوتا ہے۔ اپنی دلکشی اور

رعنائیوں کی بدولت یہ خطہ ہر دور میں دنیا بھر میں مقبول رہا ہے۔ کشمیر پر مختلف مذاہب کے حکمران وقتاً فوقتاً بڑی شان سے حکمرانی کرتے رہے ہیں۔ بدھ مت سے تعلق رکھنے والے رنچن شاہ نے قبولِ اسلام کے بعد صدرالدین کے نام سے کشمیر میں اسلامی دورِ حکومت کی بنیاد رکھی۔ یوں کشمیر میں اسلامی نظامِ زندگی کا آغاز ہوا۔ صدرالدین کے بعد سوات کے باشندے شاہ میر نے 1339ء میں حکومت سنبھالنے کے بعد کشمیر میں شاہ میری دور کی بنیاد رکھی۔ یہ دور سلاطین کشمیر کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ سلاطین کشمیر نے یہاں پر بڑی شان وشوکت اور رعب و دبدبے کے ساتھ حکومت کی۔ سلطان زین العابدین شاہ میری دور کا عہد ساز اور نامور حکمران رہا ہے۔ اس کا دورِ حکومت پچاس سالوں (1420ء تا1470ء) پر محیط ہے۔

سلطان زین العابدین کا والد، سلطان سکندر تاریخ کشمیر میں "سلطان سکندر بت شکن" کے نام سے مشہور ہے۔ سلطان سکندر کی وفات کے بعد اس کا بڑا بیٹا سلطان علی شاہ کشمیر کا حکمران بنا۔ علی شاہ نے صرف سات برس حکومت کی۔ اس کا وزیر سیف الدین تھا جو سلطان سکندر اور اس کے باپ سلطان قطب الدین کے دور میں بھی وزارت کے عہدے پر فائز رہ چکا تھا۔ وہ ملکی امور کو بہت قابلیت کے ساتھ انجام دیتا رہا تھا۔[1] وزیر سیف الدین چالیس سال وزارت کے بعد اس جہانِ فانی سے کوچ کر گیا۔ اس کے انتقال کے بعد علی شاہ نے اپنے چھوٹے بھائی شاہی خان کو وزارت کے عہدے پر فائز کیا۔ جس نے مروجہ مظالم کی جگہ عدل وانصاف کا بول بالا کیا جبکہ علی شاہ اپنے والد سلطان سکندر کے مقابلے میں بالکل صفر تھا۔ شاہی خان نے عدل وانصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے آسودہ حال لوگوں کو امن وامان سے زندگی گزارنے کا ماحول دیا۔ شاہی خان نے رعایا کے دل جیت لئے۔ جب علی شاہ نے اپنے ملک کو ہر لحاظ سے امن وامان اور بے چینی سے مبرا پایا تو اس نے مناسکِ حج کا ارادہ کیا اور کشمیر سے نکل کھڑا ہوا۔ سید فدا محمد حسنین لکھتے ہیں:-

---

1 محمد الدین فوق، مکمل تاریخ کشمیر، جلد اول، لاہور: ظفر برادرس تاجران کتب، ظفر منزل، 1963ء، ص 833

Ali Shah after fruitless flirtation with regard splendour decided to undertake a pilgrimage to Makkah and nominated his brother Shahi Khan as his successor. [2]

علی شاہ جب جموں پہنچا تو والئی جموں راجہ بھیم دیو جو اس کا سسر تھا۔ اس نے علی شاہ کو حج کا ارادہ ترک کرنے کے لیے کہا۔ قوتِ ارادی سے عاری سلطان نے اپنے سسر کی باتوں میں آ کر حج کا ارادہ ترک کر دیا۔ وہ دوبارہ تختِ کشمیر حاصل کرنے کی کوشش میں لگ گیا۔ راجہ بھیم دیو نے اسے لشکر کشی پر اُکسایا اور اسے فوجی امداد بھی دی۔ محمد اعظم دیدہ مری "واقعات کشمیر" میں رقمطراز ہیں:

اس کافر کے فریب و دغا میں آ کر سلطان علی فاسد ارادہ لئے پکھلی (ہزارہ) کے راستے سے کشمیر کی طرف متوجہ ہوا۔[3]

جب علی شاہ اوڑی کے مقام پر پہنچا تو شاہی خان بھی اپنی فوج کو آراستہ کر کے مقابلہ کو آگے بڑھا مگر شاہی خان شکست کھا کر سیالکوٹ (پنجاب) بھاگ گیا اور علی شاہ کو دوبارہ قبضہ حکومت مل گیا۔ پنجاب میں اس وقت راجہ جسرت خان گھکڑ (کھوکھر) کی حکومت تھی۔ شاہی خان 1491ء میں جسرت خان کے پاس پناہ گزین ہوا۔ پی۔ این۔ کے۔ بامزئی لکھتے ہیں:

Shahi Khan fled the country and took refuge with Jasrat, Chief of the turbulent Khokar tribe with whom he had probably established a friendship at Timur's court where both had stayed for a pretty long time.[4]

شاہی خان نے جسرت خان کی فوجی امداد سے کشمیر پر چڑھائی کی۔ علی شاہ بھی کھوکھروں کی

---

[2] Hassnain, F. M. Heritage of Kashmir, (Srinagar: Gulshan Books, Residency Road). 2011. P.94

[3] خواجہ محمد اعظم دیدہ مری، واقعات کشمیر، تاریخ اعظمی، لاہور: اقبال اکادمی، پاکستان، 1995ء، ص100۔

[4] Hassnain, F. M. Heritage of Kashmir, (Srinagar: Gulshan Books, Residency Road). 2011. P. 28

سرزنش کے لیے فوج لے کر آیا مگر اس کو ٹھنہ کے مقام پر جسرت کے ہاتھوں پسپائی کا سامنا کرنا پڑا۔ علی شاہ کو گرفتار کر لیا گیا اور شاہی خان فاتح کی حیثیت سے کشمیر میں داخل ہوا۔

شاہی خان کی تخت نشینی

788ھ میں پیدا ہونے والا "شاہ رخ خان" شہزادگی کے زمانے میں شاہی خان بن گیا تھا۔ سید حسین خوارزمی جیسے عظیم المرتبت بزرگ اس وقت کشمیر میں تھے۔ سلطان سکندر اپنے تینوں بیٹوں کو ان کی خدمت میں لے گیا اور سید حسین خوارزمی سے دُعا کروائی۔ انھوں نے فرمایا:

> "بحکم خدا ترا بادشاہ دین و دنیا کردیم و گنجہائے فراوان بتو بخشیدیم ۔ سید حسین خوارزمی کی دُعا کی قبولیت کا وقت آن پہنچا اور اپنے بھائی علی شاہ کو شکست دے کر 1420ء بمطابق 826ھ کو زین العابدین کا لقب اختیار کر کے تختِ کشمیر پر رونق افروز ہوا۔"[5]

رعایا نے اس کی تخت نشینی پر بہت بڑا جشن منایا۔ اس وقت سلطان زین العابدین کی عمر 19 سال تھی اور بہت جلد اپنی خداداد صلاحیتوں کے طفیل اس نے نہ صرف برصغیر بلکہ کل سلاطینِ مشرق کی تاریخ میں اپنا مقام متعین کر لیا۔ بقول محمد اعظم دیدہ مری:

> "ملک اب کسی دوسرے کی مزاحمت کے بغیر پورے استقلال کے ساتھ سلطان زین العابدین کے قبضے میں آ گیا۔"[6]

سلطان زین العابدین کے دور کو کشمیر کی تاریخ کا سنہری دور گردانا جاتا ہے۔ اس کے دور میں کشمیر کے ہر فن میں ترقی ہوئی۔ اس کا پورا عہد امن وامان کا ہے۔ اقتدار کی ذمہ داری کو سلطان زین العابدین نے انتہائی خوبی سے نبھایا۔ اسی وجہ سے کشمیر میں ترقی اور فتوحات کا نہ رکنے والا سلسلہ شروع

---

5 قاضی ظہور الحسن ناظم، نگارستانِ کشمیر، سری نگر، کشمیر: فیرڈیل مارکیٹ، ریذیڈنسی، روڈ، 2002، ص، 185۔
6 خواجہ محمد اعظم دیدہ مری، واقعات کشمیر، تاریخ اعظمی، لاہور: اقبال اکادمی، پاکستان، 1995ء، ص80۔

ہوا۔ اپنے پچاس سالہ طویل دورِ حکومت کے دوران شاہمیری خاندان کی دھاک آنے والے حکمرانوں پر بٹھا دی۔[7] اس کو اہلِ کشمیر عقیدت مندانہ رنگ میں "بڈ شاہ" یعنی عظیم بادشاہ اور کشمیری پنڈت "بڈہ شاہ" بڑا بادشاہ کے نام سے پکارتے ہیں۔ گویا سلطان زین العابدین کا ملکی باگ ڈور سنبھال لینا مسلمان اور ہندوؤں دونوں کے لئے خوشی کا باعث تھا۔ اس میں ایسی خوبیاں تھیں جو اس کے کسی پیش رو میں موجود نہ تھیں۔ سلطان زین العابدین کا دور گوناں گوں کشمیر کی ترقیوں کا زمانہ ہے۔ اس کا دور فتوحات، تعمیرات، صنعت و حرفت، علم وادب، علوم وفنون غرض کہ ہر اعتبار سے فروغ وترقی کا روشن عہد تھا۔ وہ اپنے باپ اور بھائی کے مقابلے میں حکمت و تدبر سے بھرا ہوا دل و دماغ رکھتا تھا۔ اس کی نظر میں مسلمان اس لئے قابلِ مذمت نہ تھا کہ وہ مسلمان ہے اور ہندو اس لئے قابلِ نفرت نہ تھا کہ وہ ہندو ہے بلکہ وہ ہر شخص سے کسی نہ کسی کمال کا متلاشی تھا۔ وہ نہایت بے تعصب حکمران تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سلطان کی دل آویز شخصیت رعایا پر مقناطیسی اثر رکھتی تھی۔ اگر کشمیر کے حکمرانوں، راجاؤں اور بادشاہوں کو دیکھیں تو سلطان زین العابدین کا رتبہ اور مرتبہ تمام حکمرانِ کشمیر سے سے بلند ہے۔ زین العابدین برِ صغیر بلکہ دنیا بھر کے سلاطین میں ایک منتظم، سماجی مصلح، قومی آہنگی اور وحدت کے کے زبردست حامی کی حیثیت سے سب سے بلند نظر آتا ہے۔

مذہبی رواداری کی جو مثال اس کے دور میں قائم ہوئی۔ اس کی مثال شائد ہی کسی حکمران کے دور میں ملتی ہے۔ ہندوستان میں مغل حکمران اکبر نے غیر مسلم رعایا کے ساتھ جو مذہبی رواداری روا رکھی۔ کشمیر میں سلطان نے اس سے بھی بڑھ کر اپنی رعایا کے ساتھ رواداری کا ثبوت دیا۔ لہذا جو مقام ہندوستان میں اکبر بادشاہ کو حاصل ہے۔ سلطان زین العابدین اس سے بھی بڑھ کر عزت و تکریم کا مستحق ہے اسی وجہ سے سلطان زین العابدین کو اکبرِ ثانی بھی کہا جاتا ہے۔ اس نے پریشان حال اور عاجز کشمیریوں خصوصاً ہندوؤں کو مفید اور وفادار رعایا میں تبدیل کر کے رکھ دیا تھا۔ پریم ناتھ بزاز "تاریخ

[7] G.M.D. Sufi, Islamic Culture in Kashmir, (Srinagar: Gulshan Books),1930, P.89 .

جدوجہد آزادی کشمیر" میں لکھتے ہیں: -

"یہ امر کافی متحیر کن ہے کہ تاریخ میں اکثر جابر حکمرانوں کے فرزند اور جانشین بہت نیک سیرت حکمران ثابت ہوئے یا اس کے الٹ رحم دل اور روادار فرمانرواؤں کے ہاں سخت مستبد اور ظالم حکمران پیدا ہوئے۔"[8]

اس کا باپ سلطان سکندر بت شکن یا بتش گون، جیسا نام سے ظاہر ہے کہ وہ ہندوؤں میں غیر مقبول رہا ہو گا۔ اس نے جتنی بھی مبینہ یا غیر حقیقی قسم کی زیادتیاں کیں۔ ان تمام کا ازالہ اس کے بیٹے زین العابدین نے کر دیا۔ بڈشاہ کی رواداری کا سب سے بڑا سیاسی کارنامہ ہے کہ اس کے باپ نے جس غیر مسلم رعایا کو دق کر رکھا تھا۔ بڈشاہ نے اسی رعایا کو اتنا نوازا کہ بعض مؤرخین متفق ہیں کہ متعصب نہیں تھا اور نہ ہی اس کے عہد ایسی متعصبانہ کارروائیاں ہوئیں۔ وہ اعلیٰ درجہ کا ہندو نواز تھا۔ سلطان زین العابدین جسموں پر حکومت کرنے کی بجائے وہ لوگوں کے دلوں پر راج کرنے کو فوقیت دیتا تھا۔ اس بات کا ثبوت اس نے اپنے طرزِ عمل سے بھی دیا تھا۔ اس کے قول و فعل میں تضاد نہیں تھا۔ جو رویہ سلطان نے اپنی ہندو رعایا کے ساتھ روا رکھا وہ کسی ہندو راجے نے بھی اپنی ہندو رعایا کے ساتھ روا نہیں رکھا تھا۔
[9]

سلطان زین العابدین نے تخت نشین ہوتے ہی سب سے پہلا جو کام کیا وہ اس نے اپنی ساری رعایا کو اپنے اعتماد میں لیا۔ اس نے اپنی مسلم رعایا پر جزیہ یا ٹیکس اور دیگر محصول منسوخ کر دیئے۔ سلطان نے اپنے ہندو مؤرخ شریور کے کہنے پر ہندوؤں کے شمشان پر لگایا گیا ٹیکس موقوف کر دیا۔ اس ٹیکس یا محصول کے خاتمہ پر ہندوؤں میں شدید خوشی کی لہر دوڑ گئی اور انھوں نے ڈھول ڈھمکوں کے ساتھ ناچ کر اپنی خوشی کا اظہار کیا۔

---

8 پریم ناتھ بزاز، تاریخ جدوجہد آزادی کشمیر، مترجم عبدالحمید نظامی، میرپور آزاد کشمیر: ویری ناگ پبلشرز، 1992ء، ص77۔

9 محمد الدین فوق، شبابِ کشمیر، میرپور آزاد کشمیر: ویری ناگ پبلشرز، 1962ء ص135۔

سلطان نے نہ صرف گاؤ کشی کی ممانعت کر دی بلکہ ستی پر لگائی گئی پابندی کو بھی اٹھا لیا۔ ان رسومات کو اس کے باپ نے سختی سے لاگو کیا ہوا تھا۔ چونکہ وہ رواداری کا قائل تھا اس لیے اس نے ہندوؤں اور مسلمانوں کو مکمل آزادی دے رکھی تھی۔ آر۔ ایس۔ پنڈت لکھتے ہیں:

> Under Zain ul Abidin the country had freedom from religious persecution.[10]

سلطان بڈشاہ نے حکم جاری کیا کہ ہندوؤں پر قانون شریعت کی بجائے ہندو مذہب کے مطابق حکومت کی جائے گی۔ سلطان نے ہندوؤں سے عہد لیا کہ وہ اپنے شاستروں کے احکام سے سرتابی نہیں کریں گے۔ اس معاملے میں وہ سلطان کی رائے کا احترام کریں گے۔ جی۔ ایم۔ ڈی۔ صوفی "کشیر" میں لکھتے ہیں:

> "The Sultan took an agreement from Brahmans that they would not act contravention of what was written in their books".[11]

مورخین لکھتے ہیں کہ ہندوؤں کے فیصلے ان کے قوانین کے مطابق ہونے لگے۔ سلطان کے دربار میں ہندو مسلم عالم جمع ہونے لگے۔ سلطان کے دور میں مذہبی تعصب اور ظلم و جبر کا نام و نشان ہی نہ تھا۔ وہ ہندوؤں کو مسلمانوں سے بھی زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ ظلم رسیدہ ہندو، جنھیں اس کے باپ کے دور میں عتاب کا نشانہ بنایا گیا تھا ان کی جائیدادیں ضبط کر لی تھیں۔ سلطان نے ان کی دادرسی کی اور ان کو جائیدادیں واپس لوٹا دیں۔ سلطان نے ان تمام بڑے بڑے برہمنوں اور دانشوروں کو واپس کشمیر بلایا جو اس کے باپ سلطان سکندر کے دور میں کشمیر چھوڑ کے جا چکے تھے۔ ان کے بارے میں محب الحسن رقمطراز ہیں:

---

[10] R.S.Pandit, Saga of the King of Kashmir, New Delhi, India: Roopabh Printers, 1991, P.762.

[11] G. M. D.Sufi, Kasheer, Vol-I, Lahore: Punjab University Press, 1948, P.173.

"جو ہندو جموں اور کشتواڑ بھاگ گئے تھے۔ ان کو واپس بلا لیا۔"[12]

جن ہندوؤں کو اس کے باپ کے دور میں وزیر سیف الدین کے ہاتھوں زبردستی مسلمان بنایا گیا تھا۔ بڈشاہ کے حکم پر انھوں نے پھر اپنا دین (ہندومت) اختیار کر لیا۔ سلطان نے ان کو اجازت دے دی کہ وہ ماتھے پر قشقہ بھی کھینچیں اور اپنے آپ کو اعلانیہ ہندو بھی کہیں۔ جب ملک میں مذہبی رواداری قائم ہو گئی تو بہت سے ہندو برہمن جو روپوش ہو گئے تھے۔ وہ بھی باہر نکل آئے اور سلطنت میں باعزت زندگی گزارنے لگے۔ اس کے مطلق پروفیسر نذیر احمد تشنہ لکھتے ہیں:

"بعض ہندو (برہمن) بڈشاہ کی مذہبی رواداری کا سن کر خود بخود وطن لوٹ آئے۔ ان کے علاوہ ہندوستان کے کئی برہمن پنڈت خاندان بڈ شاہ کی مذہبی رواداری کا چرچا سن کر یہاں آ گئے۔"[13]

بڈشاہ "کسی کو مت ستاؤ" کی منفی پالیسی سے مطمئن نہیں تھا۔ اس نے ہندوؤں کے منہدم شدہ مندروں کی مرمت کی اجازت دے دی بلکہ خود بھی کئی مندروں کی مرمت کروائی۔ کشمیر میں تعینات اراضی بندوبست کے کمشنر سر والٹر لارنس اپنی کتاب "The Valley Of Kashmir" میں لکھتے ہیں:

"He repaired some of the Hindu temples on the Takht-i-Sulemani." [14]

شری بھٹ کی زیرِ نگرانی مندروں کی مرمت کا کام جاری رہا۔ سلطان نے ماتنڈ اور امرناتھ کے مقام پر دو عظیم الشان مندر بنوائے۔ سرینگر میں ہندوؤں کی ایک بہت بڑی سرائے تھی۔ اس سرائے میں بیرونِ کشمیر سے آنے والے ہندو قیام کرتے تھے۔ سلطان نے سرکاری طور پر وہاں مستقل طعام کا بندوبست کرایا۔ مؤرخ جونراج کا کہنا ہے کہ ہندوؤں کے مطالبے پر سلطان نے اس سرائے کے

---

12 محب الحسن، کشمیر سلاطین کے عہد میں، اسلام آباد : نیشنل بک فاؤنڈیشن، 1990ء، ص،123۔

13 پروفیسر نذیر احمد تشنہ، تاریخ کشمیر، لاہور: غزنی سٹریٹ اردو بازار، 2006ء، ص50۔

14 Sir Walter Lawrence, The Valley of Kashmir, London: Oxford University Press, 1895, P.192

ساتھ ایک وسیع عمارت بھی تعمیر کروادی تاکہ ہندوؤں کو قیام میں کوئی تکلیف یا مشکل پیش نہ آئے۔

سلطان زین العابدین پہلا مسلمان بادشاہ تھا۔ جو ہندوؤں کے میلوں اور تیر تھوں میں بذاتِ خود شرکت کرتا تھا تاکہ کوئی ان کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہ کرے۔ بادشاہ ہندوؤں کی امر ناتھ یاترا کے لئے کئی مشکلات کو عبور کر کے وہاں پہنچتا تھا۔ شاردہ تیرتھ کا مقام جو مظفر آباد کی تحصیل کرناہ میں واقع ہے۔ سلطان بلند وبالا پہاڑوں کو عبور کر کے اس یاترا تک پہنچتا تھا۔ مؤرخین بادشاہ کی عقیدت مندی اور دلوں پر حکومت کرنے کی پالیسی پر حیران وششدرہ رہ جاتے ہیں۔ جس کی مثال آج کے دور میں ناممکن ہے۔ ڈاکٹر ایم۔ ایس۔ ناز اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

> "ہر سال ناگ یاترا کے دنوں میں سلطان کی طرف سے مسلسل ۵ دن تک پجاریوں کو کھانا دیا جاتا تھا۔ گھن چکر کے تہوار کے دنوں میں سارے یاتری حکومت کی طرف سے کھانا کھاتے تھے۔ چیت کے جشن میں سلطان کی شرکت ایک منصف مزاج حکمران کی علامت تھی۔ سلطان پھولوں کی نمائش میں شامل ہوتا، اور ہندوؤں کے بھجن بھی شوق سے سنتا۔"[15]

بعض مؤرخین نے سلطان کو اس کی ہندو پروری پر تنقید کا نشانہ بھی بنایا ہے۔ بڈشاہ کے عہد میں غیر مسلموں کو بھی اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا جاتا تھا۔ وہ ان پر اعتماد کرتا تھا۔ ان کو عہدوؤں پر فائز کرتے ہوئے مذہب نہیں بلکہ ان کی ذاتی قابلیت کو مدِ نظر رکھتا تھا۔ سلطان بلا تخصیص مذہب وملت، اہل علم وہنر کا قدردان تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے دربار سے بے شمار ادیب، شاعر، مورخ عالم اور موسیقار وابستہ تھے۔ ان ہندو پنڈتوں میں یشوبٹ، پنڈت زونراج، یودھ بٹ، شدت سدا شیو، پنڈت گوپال کول، پنڈت مدھو کول، پنڈت کشی کول، تلک اچاریہ، روپہ بھٹ، پنڈت شری بھٹ اور پنڈت تاربوٹ بھٹ شامل ہیں۔ شیو بھٹ ہندو تھا مگر وہ سلطان کا ذاتی معالج تھا۔ تلک اچاریہ اس کا خاص مشیر

---

15 ڈاکٹر ایم۔ ایس۔ شاہد، مقبول اکیڈمی سرکلر روڈ، چوک انارکلی لاہور، 1995ء، ص180۔

تھا۔ سلطان کا درباری شاعر بھی ہندو تھا اور اس کا نام اَت سوما تھا۔

روپ بھٹ اس کے دربار کا جوتشی تھا۔ شریہ بھٹ سلطان کی عدالتِ انصاف کا متصرم تھا۔ سلطان کو اس سے گہرا لگاؤ تھا۔ اسی طرح ایک ہندو برہمن وزیر تعلیم تھا۔ دارالترجمہ کا افسر اعلیٰ بھی ایک ہندو برہمن تھا۔ جونراج اور شریور اس کے خاص درباری مؤرخین تھے۔ سلطان نے اپنے اوصافِ حمیدہ اور اخلاقِ پسندیدہ کے باعث ہندو مسلمان رعایا دونوں کے دلوں میں گھر کر لیا تھا۔ ہر ایک اس پر جان قربان کرنے کے لیے تیار تھا۔ عوام اسے "بڈشاہ" کہتے تھے۔ سلطان کے بارے میں کہا جاتا ہے: بڑ کے کیا ہو گا اس سے کیا ہر دلعزیزی کا ثبوت بن گیا بڈ شاہ سے بٹ شاہ زین العابدین اس کے دور میں ہندوؤں کو قتل کرنے والے مسلمانوں سے بھی قصاص لیا جاتا تھا۔ اس معاملے میں وہ اپنے مقربین کو بھی معاف نہیں کرتا تھا اور حق و انصاف کے تقاضے پورے کرتا تھا۔ علم و ادب سے شغف رکھنے والا یہ بادشاہ سنسکرت زبان پر عبور رکھتا تھا حالانکہ سلطان کی اپنی زبان کشمیری تھی۔ سلطان نے سنسکرت زبان کی ترقی کے لئے بھی اقدامات کیے۔ اس نے پاٹھ شالائیں اور ودیا شالائیں قائم کروائیں۔ پریم ناتھ بزاز بیان کرتے ہیں: - بادشاہ خود بھی سنسکرت کا طالبعلم تھا۔ اس نے ہندو فلسفہ کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ اور عمر "یوگ وشست" کے منتر بڑے شوق سے پڑھتا رہا۔[16]

سلطان کے دربار کا مورخ شریور، اس کو بالمیکی کا برہما درشن اور سیتا سنایا کرتا تھا۔ سلطان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے مسلمانوں نے بھی ہندو مذہب کی کتابیں پڑھنا شروع کر دیں۔ اس نے ہندو، مسلم مذہبی کتب کے تراجم کروا کے ایک دوسرے کے مذہبی خیالات سے آگاہ کیا۔ جب مسلمانوں اور ہندوؤں کو ایک دوسرے کی مذہبی تعلیمات سے آگاہی ہوئی تو یہ بات سامنے آئی:

"مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا" سلطان زین العابدین کے دور میں فارسی زبان کو

---

16 پریم ناتھ بزاز، تاریخ جدوجہد آزادی کشمیر، مترجم عبدالحمید نظامی، میرپور آزاد کشمیر: ویری ناگ پبلشرز، 1992ء، ص،78-79

سرکاری زبان کا درجہ حاصل تھا۔ چنانچہ سلطان نے سنسکرت زبان کی کتب کا فارسی زبان میں ترجمہ کروایا کیونکہ یہ کشمیر میں دفتری زبان تھی۔ اس کے حصول کے بغیر سرکاری دفتر میں ملازمت کا حصول نا ممکن تھا۔ قاضی ظہور الحسن لکھتے ہیں:

> "ہندو فارسی پڑھنا گناہ سمجھتے تھے۔ زین العابدین نے برہمنوں کو طمع دلا کر اس طرف مائل کیا۔"[17]

سلطان نے ہندوؤں کو سمجھایا کہ فارسی کشمیر کی دفتری زبان ہے۔ مسلمانوں کی طرح فارسی زبان سیکھیں اور ملک کے اہم عہدوں میں حصہ لیں اور مل جُل کر اپنے ملک کی ترقی و فلاح کی تدابیر سوچیں۔ چنانچہ جن لوگوں نے فارسی زبان کو بطور دفتری زبان سیکھا وہ کارکن کہلائے۔ جنھوں نے مذہبی امور سر انجام دیئے ان کو باچھ بٹس کہا گیا اور جو صرف سنسکرت زبان پر اکتفا کرتے رہے وہ پنڈت کہلائے۔ سر والٹر لارنس بیان کرتے ہیں:

> "The Brahmans of Kashmir split up into three divisions. Those who took to the use of Persian and entered official life were known as the Karkun Brahmans, those who adopted the functions of Priests were known as Bachbatt Pandits, while those who devoted themselves to Sanskrit learning formed the class known as the Pandits." **[18]**

زین العابدین کے دورِ حکومت میں ہندو طلباء کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ ہونہار طالبعلموں کو سکالرشپ دیئے گئے۔ سنسکرت کی تعلیمات کے حصول کے لیے انھیں کشمیر سے باہر جانے کے مواقع فراہم کے گئے۔ ہندو طلبا ان وظائف کے بل بوتے پر دکن اور بنارس کے اداروں میں اعلیٰ تعلیم حاصل

---

[17] قاضی ظہور الحسن ناظم، نگارستانِ کشمیر، سری نگر، کشمیر: فیر ڈیل مارکیٹ، ریذیڈنسی، روڈ، 2002، ص، 159۔

[18] Sir Walter Lawrence, The Valley of Kashmir, London: Oxford University Press, 1895, P.192.

کرنے جاتے تھے۔[19]

سلطان نے شکار پر پابندی لگا رکھی تھی اور گوشت خوری کو بھی ترک کیا کیونکہ اس کی رعایا کا ایک کثیر حصہ جو کہ ہندوؤں پر مشتمل تھا، وہ گوشت سے نفرت کرتا تھا۔ بعض ہندو تقریبوں اور تیوہاروں پر وہ گوشت ترک کر دیا کرتا تھا۔ سلطان کے ہندو نواز اور ہندو پرور ہونے پر ہندو مسلم دونوں کو نے مختلف قسم کی عجیب و غریب حکایات لکھی ہیں۔ مؤرخین نے اسے مسلمان حکمرانوں کی صف میں شمار کیا ہے۔ مگر یہ ثابت کرنا مشکل ہے کہ وہ کسی خاص عقیدے یا مذہب کا پیروکار تھا۔ ہندو مؤرخین لکھتے ہیں کہ بڈشاہ کا جسم مسلمان تھا اور روح ہندو تھی کیونکہ ایک مرتبہ سلطان اس قدر شدید بیمار ہوا کہ قریب المرگ ہو گیا تو ایک ہندو جوگی نے سلطان کو مرنے سے بچا کر اپنی روح کو اس کی روح سے بدل دیا۔ اس کے متعلق پریم ناتھ بزاز لکھتے ہیں:

> "وہ بٹ شاہ (برہمن بادشاہ) تھا۔ اور ایک مہا تپسوی نے ہندو دھرم کو کھوئی ہوئی قدر و منزلت واپس دلانے کے لئے کشمیر کے سلطان کی شکل میں جنم لیا تھا۔[20]

گویا ہندو روح کے سما جانے کی وجہ سلطان کی رغبت ہندوؤں کی طرف تھی۔ بہر حال روح کا ایک جسم سے دوسرے میں منتقل ہو جانا قرینِ قیاس بات ہے۔ مغل حکمرانوں بابر اور ہمایوں کے حوالے سے بھی ایسی کئی باتیں وابستہ ہیں کہ باپ بیٹا دونوں سخت بیمار ہوئے۔ بابر نے صدقِ دل سے بیٹے کے لئے دُعا کی۔ دُعا دل سے نکلی اور اثر کر گئی۔ بابر زیادہ بیمار ہو گیا اور ہمایوں تندرست ہونے لگا حتیٰ کہ تیسرے دن بابر کا انتقال ہو گیا۔ ہو سکتا ہے کہ جوگی اور بڈشاہ کا معاملہ

---

[19] G. M. D.Sufi, Kasheer, Vol-I, Lahore: Punjab University Press, 1948, P.173

[20] پریم ناتھ بزاز، تاریخ جدوجہد آزادی کشمیر، مترجم عبد الحمید نظامی، میرپور آزاد کشمیر: ویری ناگ پبلشرز، 1992ء، ص، 82

بھی ایسا ہی ہو۔"

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے کہ ایک شاہمیری شہزادے نے کسی برہمن زادی کی تذلیل کی۔ جس کی بد دُعا سے شہزادہ بیمار ہو گیا۔ اس پر سلطان بذاتِ خود برہنہ پا برہمن کے گھر جا کر معافی کا طلبگار ہوا۔ برہمن کی پند و نصائح کا بادشاہ پر گہرا اثر ہوا اور وہ رعایا خصوصاً ہندوؤں کی دل جوئی میں اور بھی سرگرمی دکھانے لگا۔ بڈشاہ کا دورِ حکومت تاریخِ کشمیر کا ایسا سنہرا دور تھا جس کی مثال نہیں ملتی۔ 12 مئی 1470ء کو 70 سال کی عمر میں وہ اس جہانِ فانی سے کوچ کر گیا۔ کہتے ہیں جس سلطان فوت ہوا۔ اس دن کشمیر میں کسی کے گھر کھانا نہیں پکا۔ دارالحکومت سرینگر اجڑ کر رہ گیا تھا۔ رعایا اپنے ہر دل عزیز بادشاہ کے غم سے نڈھال تھی۔ سارے کشمیر کی فضاء سوگوار تھی اور گمان ہو رہا تھا زمین کے ساتھ ساتھ آسمان بھی اداس ہے۔ بادشاہ کے تاج کی چمک ماند پڑ گئی ہے اور اس کے دنیا سے چلے جانے سے عدل و انصاف، علم، سخاوت، عظمت و جلال، شان و شوکت، امن و امان اور رواداری اور بھائی چارہ سب کچھ ریاست سے ختم ہو گیا ہے۔[21] بلاشبہ بڈشاہ اس دور کا ایک ایسا نمائندہ حکمران تھا جس میں دوسروں کے خیالات کا احترام، انصاف، بے کسوں کی داد رسی اور سرزمینِ کشمیر کے تہذیبی ورثہ کی منفرد خصوصیات تھیں۔ وہ کشمیر کے تمام فرقوں میں یکساں مقبول تھا اور ہر دلعزیز تھا۔ اس کے دور میں کشمیر آزاد و خود مختار مملکت کی حیثیت سے دنیا کے نقشے پر اُبھرا۔ پی۔ این۔ کے۔ بامزئی رقمطراز ہیں:

"He is the only Sultan who calls himself Naib-i-Ami-u-Mominin.” [22]

سلطان زین العابدین نے کشمیر کو ”ایرانِ صغیر“ بنا ڈالا ارو کشمیریوں کو اپنے قدموں پر کھڑا ہونا سکھایا اس کے بعد گردش زمانہ کا شکار ہو کر اپنی شناخت کھو بیٹھے ہیں، جس کی زبوں حالی علامہ اقبال نے بھی یوں بیان کی ہے۔

---

[21] Jagmohan, My Frozen Trubulence in Kashmir, New Delhi, Allied Publishers Limited, 1991, P.54.

[22] P. N. K.Bamzai, Culture and Political History of Kashmir, Vol-1I, Srinagar, Kashmir: Gulshan Books, Residency Road, 1994,P.218

آج وہ کشمیر ہے محکوم و مجبور و فقیر
کل جسے اہلِ نظر کہتے تھے، ایرانِ صغیر[23]

المختصر، زین العابدین ایک پرُعزم اور بلند حوصلہ حکمران تھا۔ شاہ میری دور کے 250 سالوں میں کوئی ایسا حکمران نہیں گزرا۔ آج بھی لوگ سلطان زین العابدین کو بڈشاہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

23 محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال، لاہور: اقبال اکادمی، 1995۔